بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين،

وَبَعْدُ:

12-شرح العقیدۃ الواسطیۃ

العقیدۃ الواسطیۃ الشیخ الاسلام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح ابن عثیمین رحمہ اللہ۔

اور آج کی نشست میں جہاں پر رکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں، شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''من غیر تحریفٍ ولا تعطیلٍ'' (بغیر تحریف کے اور بغیر تعطیل کے)۔

ہم بات کر رہے تھے اللہ تعالیٰ اسماء و صفات کے تعلق سے اور چند اہم قاعدے بیان کیے تھے پچھلے درس میں، آج کی نشست میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے تعلق سے ایک بہت ہی اہم بات اس موضوع کے تعلق سے شیخ الاسلام رحمہ اللہ بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسماء و صفات پر جو ایمان ہے اہل سنت والجماعت کا وہ ان چار چیزوں سے خالی ہونا چاہیے اگر یہ چار چیزیں اسماء و صفات کے باب میں کہیں پر کسی طریقے سے پائی جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر ایمان جو ہے غلط ہے ناقص ہے بلکہ باطل بھی ہو سکتا ہے۔

تو آیئے دیکھتے ہیں یہ چار چیزیں کیا ہیں اُن میں سے کیونکہ شیخ صاحب (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) نے بڑی تفصیل سے بات کی ہے اور بڑی پیاری باتیں کی ہیں اور غالباً شاید ایک یا دو چیزوں پر بات ہو سکے اور باقی کی باتیں ان شاء اگلے دروس میں کریں گے۔

سب سے پہلی بات جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں اسماء وصفات کے باب میں کہ ہمارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ کے ہر نام پر اور ہر صفت پر جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے قرآن مجید میں اور جو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے صحیح حدیث میں ان چار شرطوں کے ساتھ یہ چار شرطیں ہیں (یعنی یہ چیزیں نہیں ہونی چاہیئں):

1-" من غير تحريف" (سب سے پہلے تحریف کے بغیر)۔

تحریف کسے کہتے ہیں یہ لفظ کہاں سے آیا ہے؟ تحریف اور تاویل میں کیا فرق ہے؟ تاویل کی کتنی قسمیں ہیں؟ تاویل کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے تحریف کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے تاویل کا لفظ کیوں استعمال نہیں کیا ہے؟

تحریف اور تعطیل میں کیا فرق ہے چند اہم باتیں ہیں آیئے دیکھتے ہیں:

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس جملے میں یعنی "من غير تحريف" کے جملے میں یہ اہل سنت والجماعت کی صفت کا بیان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر کیسے ایمان لے کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات پر اہل سنت والجماعت کا ایمان جو ہے وہ خالی ہے ان چار اُمور سے ان چار چیزوں سے "التحريف، والتعطيل، والتكييف، والتمثيل" (بغیر تحریف کے، بغیر تعطیل کے، بغیر تکییف کے (یعنی کیفیت بیان کرنے کے)، اور بغیر تمثیل کے (یعنی مثلیت بیان کرنے کے))۔

تحریف کیا ہے؟ "فالتحريف: التغيير" تحریف کہتے ہیں تبدیل کو (تبدیلی کو، تبدیل کرنے کو) "تغییر" یعنی تبدیل کرنے کو، اور اس کی دو قسمیں ہیں یا لفظی ہے یا معنوی ہے، اور غالب بات یہ ہے کہ جو لفظی تحریف ہے وہ وقع نہیں ہوتی بہت کم یعنی بہت کم ہوتی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کو محفوظ کیا ہے آپ اس میں سے ایک زَبر بھی فرق نہیں کر سکتے، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی دلیل قرآن مجید میں تقریباً ہر آیت کے اختتام پر آپ کو نظر آتا ہے تو اس میں لفظی تحریف جو ہے ممکن نہیں ہے اگر ہے تو کہیں بہت کم ہوتی ہے۔ اس کی مثال عام طور پر استواء کو معتزلہ نے استولیٰ کر دیا ہے کہ استواء کر دیا

ہے کہ استواء کو لفظ ہے وہ حقیقت میں استولیٰ ہے۔ "استولیٰ" (یعنی غالب ہونا، غلبہ حاصل کرنا)، اور "استواء" (مستوی ہونا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے)۔

تو اس اعتبار سے لفظی یعنی تحریف ہوئی ہے لیکن عام طور پر جیسے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، غالب یہی ہے کہ تحریف لفظی جو ہے واقع نہیں ہوتی اور اگر واقع بھی ہو جائے تو کسی جاہل سے واقع ہو جاتی ہے، اور لفظی تحریف سے مراد یہ ہے کہ لفظ کی شکل کو تبدیل کر لینا۔ آپ نہیں پائیں گے کسی کو کہ سورۃ الفاتحہ کی جو پہلی آیت ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الفاتحہ: 1) کو یوں پڑھیں "الحمدَ لله ربّ العالمين" دال کی فتح کے ساتھ۔

اصل لفظ کیا ہے؟ ﴿اَلْحَمْدُ﴾، ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ اگر کوئی شخص پڑھتا ہے "الحمدَ لله" بفتح الدال" کہتے ہیں یہ جاہل ہی کر سکتا ہے۔ تو یہی غالب ہے کہ لفظی جو تحریف ہے وہ وقع نہیں ہوتی اگر ہوتی ہے تو بہت کم ہوتی ہے جو جاہل سے یا جاہلوں سے ہو سکتی ہے۔

لیکن جو معنوی تحریف ہے اس میں بہت سارے لوگ پڑے ہیں اور ان بہت سارے لوگوں سے وقع ہوئی ہے، اہل سنت والجماعت جو ہے اُن کا ایمان جو ہے اللہ تعالیٰ کی صفات پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان فرمایا ہے وہ تحریف سے خالی ہے، یعنی لفظی معنوی تبدیلی سے خالی ہے، اور معنی کو تبدیل کرنے کو (یعنی معنوی جو تحریف ہے) جو اس کے قائل ہیں وہ اسے تحریف نہیں کہتے بلکہ تاویل کہتے ہیں اسے تاویل کا نام دیتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل التاویل کہتے ہیں تاکہ الفاظوں کو ایسا رنگ دیا جائے جو لوگوں میں قبول ہو جائے کیونکہ اہل التحریف کہتے تو کون سنتا اُن کی بات۔

اہل التحریف اور اہل التاویل میں فرق ہے کہ نہیں؟ آپ کو اہل التاویل تو نظر آئے گا کہ یہ اچھے لوگ ہیں تاویل کی بات کرتے ہیں لیکن "اہل التحریف" تو تحریف لفظ ہی ایسا ہے کہ بدلنے والے تحریف کرنے والے تو لوگ متنفر ہو جاتے ہیں اس لفظ سے تو انہوں نے اپنے لیے تھوڑی سی تبدیلی کر کے الفاظوں کے رنگ کو بدل دیا ہے بات ایک ہی ہے، اصل مقصد تحریف کا ہی ہے لیکن تحریف کا لفظ استعمال نہیں کرتے وہ اپنے آپ کو اہل التاویل کہتے ہیں (تاویل کے نام پر)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں، کیونکہ تاویل کے لفظ سے لوگوں کی نفس جو ہے متنفر نہیں ہوتی اور ناپسند بھی نہیں کرتی اس لفظ کو لیکن جس طرف وہ گئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ تحریف ہی ہے کیونکہ اس کے اوپر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے لیکن وہ تحریف کا لفظ نہیں استعمال کر سکتے اگر وہ تحریف کہتے ہیں تو وہ اپنے اوپر یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ ان کی بات کو رَد کر دیا جائے۔اس لیے مصنف نے (یعنی شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے) یہاں پر تحریف کا لفظ استعمال کیا ہے تاویل کے لفظ کو چھوڑ کر، جب کہ بہت سارے مصنفین جب اس باب پر بات کرتے ہیں تو وہ نفی التاویل کی بات کرتے ہیں، یعنی یہ کہتے ہیں ''من غير تأويل''(من غیر تحریف کی جگہ ''من غير تأويل'' کہتے ہیں)۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ''من غير تحريف'' فرمایا ہے، اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی جو بات ہے کہ ''من غير تحريف'' اور یہ زیادہ اولیٰ ہے اور زیادہ حق رکھتی ہے ''من غير تأويل'' کے لفظ سے اور اس کی چار وجوہات ہیں:

۱- سب سے پہلی وجہ: کہ تحریف کا لفظ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾(النساء:46)((یہود و نصاریٰ کے تعلق سے) کہ تحریف کرتے ہیں لفظوں کی اپنی جگہوں سے)۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہود و نصاریٰ نے تورات اور انجیل کو بدل ڈالا ہے اور جو تحریف کی ہے کون سی ہے؟ لفظی تحریف، لفظ کو بدل ڈالا ہے (سبحان اللہ)۔یعنی یہ تحریف کی کہتے ہیں بدترین صورت ہے!

اور جس لفظ کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے اس کی تعبیر کی ہے اسے استعمال کرنا زیادہ حق رکھتا ہے وہ اولیٰ ہے استعمال کرنے کے لیے۔

تو پہلی وجہ یہ ہے کہ تحریف کا لفظ تاویل سے بہتر ہے استعمال کرنے کے لیے۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو لفظ آیا ہے تحریف کا ہے۔

۲- دوسری وجہ: کہ زیادہ دلالت کرتا ہے حالت پر اور انصاف سے زیادہ قریب ہے کہ لفظ تحریف استعمال کیا جائے کیونکہ جو بغیر دلیل کے تاویل کرتا ہے یہ عدل و انصاف نہیں ہے کہ اسے ہم کہیں تاویل کرنے والا اور مؤول کہیں اسے

بلکہ عدل وانصاف یہی ہے کہ جو وہ حق رکھتا ہے اسی لفظ سے اس کو نام دیا جائے اور یعنی محرف کہا جائے (تحریف کرنے والا) جو بغیر دلیل کے ایک لفظ کو اپنے معنی سے ہٹا کر دوسرا معنی دیتا ہے، اسے کہتے ہیں تحریف معنوی کہ معنی کو اس نے بدل ڈالا ہے (تحریف ہے)۔

تو انصاف کیا ہے اسے مؤول کہا جائے (تاویل کرنے والا) یا محرف کہا جائے (تحریف کرنے والا)؟ اس کی حالت کیا بتاتی ہے وہ محرف ہے (تحریف کرنے والا) یا مؤول ہے (تاویل کرنے والا)؟ محرف ہے۔

تو حالت کے اعتبار سے اس کے حال کے اعتبار سے اور عدل و انصاف کے زیادہ قریب ہے کہ اسے محرف کہا جائے (تحریف کرنے والا) نا کہ مؤول کہا جائے (تاویل کرنے والا)۔

۳- تیسری وجہ: کیونکہ بغیر دلیل کے تاویل کرنا باطل ہے اس سے دوری اختیار کرنی چاہیے اور نفرت کرنی چاہیے، اور تحریف کا لفظ جو ہے اس میں زیادہ بلاغت ہے اور تنفیر کرنے کے لیے دوری اختیار کرنے کے لیے زیادہ حق رکھتا ہے تاویل کے لفظ سے کیونکہ تحریف جو ہے تحریف کا لفظ کوئی قبول نہیں کرتا لیکن جو تاویل کا لفظ ہے وہ تھوڑا نرم لفظ ہے نفس بھی اسے قبول کرتی ہے اور اس کے معنی کی تفصیل کا بھی سوال کرتی ہے کہ اس کا معنی پھر کیا ہے، لیکن تحریف جو ہے جب آپ تحریف کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو انسان اس سے دور بھاگتا ہے متنفر ہو جاتا ہے اور اگر معاملہ اس طریقے سے ہے تو تحریف کا لفظ استعمال جو کرنا ہے جو سلف کے طریقے کی مخالفت کرتے ہیں وہ زیادہ لائق ہے تاویل کا لفظ استعمال کرنے سے۔

یعنی شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ جو لفظ تاویل اور تحریف ہے اگر عام لفظ جو ہے کوئی شخص اس کے اصل معنی سے ہٹ کر کوئی اور معنی بیان کرتا ہے بغیر دلیل کے تو ہم اسے کہتے ہیں یہ تحریف کرنے والا ہے تاویل کرنے والا نہیں ہے، جو لوگ منہج السلف کی مخالفت کرتے ہوئے تحریف کر لیتے ہیں جو صحیح معنی ہیں ان سے ہٹ کر دوسرے معنی بیان کرتے ہیں تو ان کے لیے لائق لفظ کیا ہے جو ان کی حالت کے لیے جو بہتر ہے وہ تحریف یا تاویل ہے؟ تحریف ہی ہے۔ یعنی جو عام لفظ میں غلطی کرتا ہے وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے اہل تحریف کہا جائے یا جو سلف کے منہج کی مخالفت کرے اس کا زیادہ حق ہے کہ یہ لفظ بیان کیا جائے؟ اور خصوصی طور پر بات کیا ہو رہی ہے؟

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے باب میں جو سب سے زیادہ خطرناک مسئلہ ہے ایک عام لفظ کی تاویل ہے آپ کوئی بات کرتے ہیں آپ کا جو لفظ ہے جملہ جو ہے اسے اور معنی دے دیتا ہے جرم ہے غلط ہے، آپ نے جو بات کہی اس کا مطلب یہ ہے ہی نہیں لیکن لوگوں نے اسے توڑ موڑ کر یہی معنی اُخذ کر لیا ہے۔

اگر بات ہو رہی ہے منہج السلف کے تعلق سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ یہ تحریف کر رہا ہے کیونکہ اپنے منہج کو بدل ڈالا ہے راستے کو اپنے غلط بیان کیا جو سلف کا راستہ ہے، اور خصوصی طور پر بات جب اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی کرتے ہیں تو اس کا خطرہ اس کا جرم سب سے بڑا ہے۔ ہے کہ نہیں؟

تو جو زیادہ جرم کا ارتکاب کرنے والے ہیں ان کے لیے یہ لفظ کیوں نہ استعمال یا جائے جس سے لوگ زیادہ سن کر متنفر ہو جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اہل باطل ہیں اہل حق ہو نہیں سکتے اور تاویل کے نام پر تحریف کرنے والے ہیں۔

۴- چوتھی وجہ: کہ تاویل ہمیشہ مذموم (قابل مذمت) نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ" جیسے متفق علیہ حدیث میں آیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ﴾ إلی آخر الآیۃ (آل عمران: 7) تو اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے کہ وہ تاویل کا علم رکھتے ہیں۔

تو اس آیت کریمہ میں اور اس حدیث میں جو متفق علیہ حدیث ہے اس میں لفظ تاویل کا استعمال کیا جا رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرماتے ہیں "وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ" سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے کہ اللہ تعالیٰ تاویل کا علم عطا فرما۔

تو لفظ تاویل جو ہے کیا ہمیشہ قابل مذمت ہے؟ نہیں! قابل تعریف بھی ہے، ظاہر ہے اللہ تعالیٰ راسخون فی العلم کی یہاں پر مدح فرما رہے ہیں اس لیے کہ تاویل جانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا فرماتے ہیں کہ علم تاویل اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرما۔ مطلب یہ تاویل جس کا ذکر کیا جا رہا ہے یہ قابل مدح ہے نا کہ قابل مذمت ہے۔

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ تاویل ہر اعتبار سے مذموم نہیں ہے اور تاویل کے کئی معنی ہیں: (۱)"التفسیر" تاویل کا معنی تفسیر ہے۔(۲)"العاقبة والمال" یعنی کسی چیز کی عاقبت اور اس کا نتیجہ۔(۳)"صرف اللفظ عن ظاهره" کسی لفظ کو اس کے ظاہر سے ہٹا کر دوسرا معنی دینا۔

یہ تین ہیں اور یہ تینوں موجود ہیں قرآن اور سنت میں (سبحان اللہ)۔

جو پہلا معنی ہے تفسیر کا "تاویل بمعنی تفسیر" کئی مفسرین ہیں جو آیت کی تفسیر کرتے تو وہ کہتے ہیں "تأويل قوله تعالى" یا "تأويل قوله تعالى كذا وكذا" (اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تاویل یہ اور یہ ہے)۔اور اس تاویل سے مراد کیا ہے؟ تفسیر ہے، پھر معنی بیان کرتے ہیں اُس آیت کا۔

اس تفسیر کو تاویل اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ ہم اس آیت کی تاویل کرتے ہیں یعنی جو معنی مراد ہے وہی معنی بیان کرتے ہیں "يؤول إلى معناه" اس لیے تاویل کا لفظ تفسیر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اب یہاں پر جو تاویل ہے ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ اس سے کیا مراد ہے؟ معنی تفسیر، اس کا یہ معنی ہے۔اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے جو دعا ہے وہ کیا معنی ہے تاویل کا؟ تفسیر ہی ہے۔

دوسرا معنی کسی چیز کی عاقبت اور اس کا نتیجہ، اور اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) اگر یہ طلب میں وارد ہو تو اس کی تاویل فعل ہے، یعنی اگر اُمر ہے طلب کوئی چیز کرنی ہے تو اس کو بجالانا اس کو فعل کرنا مطلوب ہے۔(۲) اور اگر نہی ہے تو اس کو ترک کرنا مطلب ہے۔(۳) اگر خبر ہے تو اس کی تاویل یعنی واقع ہونا مطلب ہے۔

اب دیکھیں اس کی مثال خبر کے تعلق سے مثال جو ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۚ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ (الاعراف: 53)۔

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ﴾، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اس انتظار میں ہیں کہ ان کی عاقبت اور جو اُن کو سزا دی جانی ہے کیا اس کے انتظار میں ہیں جس کی اُن کو خبر دی گئی ہے، جس دن وہ آئے گا جس کی اُن کو خبر دی گئی ہے تو جو لوگ بھول چکے ہیں وہ کہیں گے ﴿قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ وہ کہیں گے ہمارے رسول ربّ کے رسول جو ہیں وہ حق لے کر آئے ہیں۔

تواس سے مراد کیا ہے ؟اُس چیز کی عاقبت۔﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ﴾یعنی اس کی جو عاقبت ہے اور جو ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

اس کی دوسری مثال سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ﴾(یوسف:100)۔یعنی سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے قصے کے آخر میں جب دونوں والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا تو سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے کیا فرمایا؟یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی ﴿هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ﴾(یہ میرے خواب کی تاویل (یعنی تعبیر) ہے(خواب کی تعبیر کو بھی تاویل کہا جاتا ہے))﴿مِنْ قَبْلُ﴾(جو پہلے میں نے خواب دیکھا تھا)۔

توتاویل کا لفظ خواب کی تعبیر یعنی میرے خواب کی تعبیر کی انتہا۔اور عاقبت کیا ہوئی؟ یہ ہوئی کہ خواب سچا ثابت ہوا جو سورج اور چاند دیکھا اور گیارہ جو سیارے ہیں وہ سجدہ کر رہے ہیں۔تو اس خواب کی تعبیر یعنی اس کی عاقبت اور تاویل اور تعبیر کیا ہوئی؟ کہ دونوں والدین اور جو گیارہ بھائی ہیں وہ جھک گئے اُن کے سامنے (یعنی میرا خواب واقع ہوا(خواب کی تعبیر واقع ہوئی))۔

اور طلب میں اس کی مثال یہ ہے،اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے رکوع اور سجدے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے نازل ہونے کے بعد خاص دعا پڑھا کرتے تھے جب سورۃ النصر نازل ہوئی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴾(النصر:1)آخر سورۃ تک،تو کثرت سے رکوع اور سجود میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمدِكَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”يتأول القرآن“(متفق علیہ حدیث ہے)۔”يتأول القرآن“ سے کیا مراد ہے؟یعنی ”يعمل به“۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۃ النصر نازل ہونے سے پہلے رکوع کی دعائیں جو مختلف ہیں وہ پڑھا کرتے تھے جب یہ سورۃ نازل ہوئی اب ایک خاص دعا کو ایڈ(Add) کر لیا اپنے رکوع اور سجود میں جو پہلے نہیں مانگا کرتے تھے کون سی دعا ہے؟”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمدِكَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں”يتأول القرآن“قرآن مجید کی تاویل کرتے ہیں یعنی عمل کرتے ہیں۔کس چیز پر؟﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ

النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴾ (النصر: 1-3)۔﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾اس پر عمل کیسے ہوگا؟"سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمدِكَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي"۔

تو یہاں پر تاویل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کیا فرماتی ہیں؟"يتأول القرآن"۔یتأول سے کیا مراد ہے؟ عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النصر میں بیان فرمایا ہے، یہ طلب ہے کہ یہ کرنا ہے۔ تو طلب کے لیے بھی جو تاویل کا لفظ ہے وہ کس لیے ہوتا ہے؟ اس پر عمل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

تیسرا معنی تاویل کا"صرف اللفظ عن ظاهره"کہ لفظ کو اس کے ظاہر کے معنی سے ہٹا کر بیان کرنا۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں، محمود بھی ہے مذموم بھی ہے (اور یہ ہمارا جو موضوع ہے جو زیر بحث موضوع ہے وہ یہی ہے)۔ اگر دلیل اس پر قائم ہے تو یہ محمود ہے قابل تعریف ہے اور یہ پہلی قسم سے ہے یعنی تفسیر بیان کی جارہی ہے اس کا معنی بیان کیا جارہا ہے اور اس کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے اور لفظ کو اس کے معنی سے ہٹا کر کوئی اور معنی دیا ہے تو یہ قابل مذمت ہے کیونکہ اس کی دلیل نہیں ہے اور یہ تحریف میں سے ہے تاویل میں سے نہیں ہے۔

تیسری قسم کسی لفظ کو اس کے ظاہر معنی سے ہٹا کر کوئی اور معنی دینا اس کی دو قسمیں ہیں کہ یا تو اس کی دلیل ہے تو پھر یہ قابل مذمت نہیں ہے قابل تعریف ہے کیونکہ اس کی دلیل بھی موجود ہے اور اس کی تاویل سے مراد ہوگا تفسیر اس لفظ کا اپنا معنی صحیح معنی بیان کرنا جیسا کہ تفسیر میں بیان ہوتا ہے۔

اور اگر اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور کسی لفظ کو اس کے ظاہر سے ہٹا کر کوئی اور معنی دیا ہے تو یہ قابل مذمت ہے اور اسے تاویل نہیں بلکہ تحریف کہا جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ شیخ صاحب یہ فرمارہے ہیں کہ لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر اگر معنی بیان کرنا ہے تو اس کی دلیل ہونی چاہیے دلیل قرآن اور سنت سے ہوگی، یا قرآن اور سنت کی اساس جو قواعد ہیں ان کے مطابق ہوگی (کیونکہ بات ابھی آگے آئے گی)۔

اب معتزلہ نے یا معطلہ نے (جیسے آگے بیان ہوگا) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا کیوں انکار کیا ہے؟ جہمی وغیرہ (معتزلہ تو نام مانتے ہیں بعض صفات کا انکار کرتے ہیں، اور اشاعرہ اور ماتریدیہ بھی بعض صفات پر ایمان بعض کا انکار کرتے ہیں) تو

ان سب میں ایک چیز کی یکسانیت ہے وہ کہتے ہیں اگر ہم ان صفات کو مان لیں جو اللہ نے بیان کی ہیں تو تشبیہ لازم آتی ہے اور تشبیہ کرنا کفر ہے کہ خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی لفظ ہے اس کے ظاہر سے کوئی غلط معنی ثابت ہوتا ہے تو ظاہر کے معنی سے ہٹ کر ہم دوسرا معنی بیان کریں گے تاکہ اس غلطی سے بچا جاسکے۔

تو غلطی کیا ہے یہاں پر؟ کہتے ہیں تشبیہ لازم آتی ہے اس لیے لفظ کو ظاہر سے ہٹا کر ہمیں بیان کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں (اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کی صفت ثابت ہے) اچھا ہم اگر ہاتھ مان لیتے ہیں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ مخلوق کے بھی ہاتھ ہیں تو خالق مخلوق میں مشابہت آتی ہے تو قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا لفظ ہے جس کے اصل معنی سے ظاہر معنی سے کوئی غلط معنی ثابت ہوتا ہے ہم اس معنی سے دوسرا معنی دیں گے، عربی زبان میں ید (ہاتھ جو ہے) وہ طاقت، قدرت کے لیے استعمال ہوا ہے تو ہم یہ نہیں کہیں گے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے ہم یہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت ہے اس سے مراد یہ ہے کیونکہ ہم بچنا چاہتے ہیں اس بڑی غلطی سے جو اس لفظ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اس کے معنی میں۔ اچھا اس کی دلیل کیا ہے ہم کہتے ہیں؟ کہتے ہیں دلیل عقل ہے۔

اصل بات کیا ہے؟ کہ بغیر دلیل کے مذموم ہے اور دلیل ہے تو محمود ہے۔

ہم کہتے ہیں (معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں) کہ جب ہم یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ ہاتھ کے لفظ سے مراد طاقت یا قدرت ہے یا نعمت ہے (وغیرہ) جو عربی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے تو کیوں نا ہم اصل لفظ جو ظاہر ہے وہ مراد ہی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے میرا ہاتھ ہو اور مخلوق کا بھی ہاتھ ہو ایک جیسے ہاتھ ہوں، تو اس سے بچنے کے لیے اس غلط معنی سے بچنے کے لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت ہے یعنی نعمت ہے۔ دلیل کیا ہے؟ عقل نہیں مانتی!

تو عقل کو آگے کر کے نصوص سے انہوں نے یہ دلیل پکڑی ہے اور اصل بات کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں یہ تحریف ہے تاویل نہیں ہے۔ کیوں؟ کیونکہ دلیل تمہارے پاس نہیں ہے۔

اور یہ کس نے کہا ہے تم عقل کی بات کرتے ہو تو نصوص میں موجود ہے ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ (المائدۃ:64) (بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں)۔ نعمتیں کتنی ہیں دو ہیں؟! اللہ تعالیٰ کی قدرت کتنی ہیں دو ہیں؟! اس لیے

تمہارا یہ معنی لینا ہی باطل ہے کیونکہ اللہ کی نعمتیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوهَا﴾ (النحل:18)(اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احصاء کرتے ہو گنتے ہو تو آپ گن ہی نہیں سکتے ہو)۔

تو پھر جہاں پر اللہ نے فرمایا ہے کہ میری نعمتوں کی آپ حد نہیں لگا سکتے گن نہیں سکتے تو وہاں پر آپ دو کیسے کر سکتے ہو؟!اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔وجہ کیا ہے؟کیونکہ غلط ہے۔

اصل بات کیا ہے؟کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے،خالق اور مخلوق کی تشبیہ صرف آپ لوگوں کی عقل میں آسکتی ہے حقیقت میں تو ہی نہیں سکتی۔

تو آپ کی عقل میں کیوں آتی ہے؟کیونکہ آپ جس چیز سے ڈرتے ہو اس سے بڑے گڑھے میں جا کر گرے ہو (آگے تفصیل آئے گی اس کی)۔

سوال:جو یہ معنی لیتا ہے اپنی تفسیر میں لکھتا ہے اس کا حکم کیا ہوا؟

جواب:تحریف ہے،وہ کہتے ہیں تاویل ہے (آگے آئے گا حکم سب آئے گا ان شاءاللہ)۔تحریف تو نہیں کہہ سکتے وہ اُن کے نزدیک وہ بچنا چاہتے ہیں اس بڑی غلط سے جیسے کہتے ہیں عقیدے کی غلطی ہو جائے گی،بچنا چاہتے ہیں اس لیے تحریف کے نام پر تاویل کر دیتے ہیں۔

آگے اور مسئلہ ہے تفویض کی بات میں کروں گا وہ اس سے اور خطرناک ہے کہ معنی ہے ہی نہیں معنی نہیں جانتے ہم!

معنی ہی نہیں ہے یَد کا معنی ہم جانتے نہیں ہیں یَد کیا ہے۔ارے یَد ہاتھ ہوتا ہے!نہیں ہم نہیں جانتے۔کیوں؟اگر ہم ہاتھ ثابت کرتے ہیں تو مسئلہ ہو جاتا ہے،ایک طرف اہل سنت والجماعت ہے جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں وہ کہتے ہیں حقیقی ہاتھ ہے،دوسری طرف یہی معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں یہ نعمت اور قدرت ہے ہم بیچ کا راستہ اختیار کرتے ہیں کہتے ہیں ہمیں پتہ ہی نہیں ہے کیا معنی ہے (تمام اسماء وصفات)،انہیں اہل التفویض کہتے ہیں "مفوضۃ" (آگے آئے گا ان شاءاللہ)۔

اب اس کی مثال دیکھیں شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)،یہ دوسرا جو ہے اہل التحریف اسی پر چلے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں،یعنی "صرف اللفظ عن ظاهره من غير دليل" جسے تحریف کہتے ہیں۔اس کی مثال دیکھیں اللہ

تعالیٰ کاارشاد ہے ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾(طہ:5)۔ظاہر لفظ کیاہے؟کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور عرش کا معنی ہے "استقر عليه، وعلا عليه" (اللہ تعالیٰ نے عرش پر استقرار پایاہے اور بلند ہوا ہے)۔استواء کا مطلب ہے" ارتفع علا واستقر"۔

" فإذا قال قائل: معنى {اسْتَوَى}: استولى على العرش" اگر کوئی شخص یہ کہے کہ استواء کا معنی استولیٰ ہے عرش پر، تو شیخ صاحب فرماتے ہیں ہم یہ کہیں گے یہ تمہاری طرف سے تاویل ہے کیونکہ آپ نے لفظ کو اس کے ظاہر سے صرف کر دیا ہے اور ہٹادیاہے اور حقیقت میں یہ تحریف ہی ہے کیونکہ اس کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل تو اس کے خلاف ہے جیساکہ آگے بیان ہوگاان شاءاللہ (شیخ صاحب فرماتے ہیں)۔

اور دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے﴿اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ﴾(النحل:1)۔

یعنی پہلی دلیل میں استواء ہے﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾، معتزلہ جو ہیں انہوں نے کہااستواء نہیں ہے اصل لفظ ہے استولیٰ عربی زبان میں استولیٰ کا لفظ بھی بیان ہوا ہے (آگے تفصیل آئے گی استولیٰ کہاں سے آیا، شعر کس کا تھا اور شعر میں اس نے کیا کہا"استوى بشر على العراق "اصل میں استولیٰ ہے لفظ استواء ہوا تھا جب عراق پر قابض ہوا تھا، تفصیل آگے آئے گی ان شاءاللہ)۔ لیکن یہاں پر وہ کہتے ہیں جب عربی زبان میں استواء کا لفظ استولیٰ کا بھی استعمال ہوا ہے تو استواء کیونکہ اس میں سمت لازم آتی ہے اور عقل نہیں مانتی اللہ تعالیٰ سمت پر ہو اور ہر جگہ نہ ہو یا ہر جگہ ہو تو اس معمے سے نکلنے کے لیے انہوں نے ایک اور معمہ شروع کر دیا انہوں نے کہااستواء کا معنی ہی غلط ہے استواء کا معنی وہ نہیں ہے جو یہ لوگ لیتے ہیں (یعنی اہل سنت والجماعت اور سلف لیتے ہیں) سب غلطی کرتے ہیں، ہم عقل والے ہیں ہماری بات مانو ہماری بات صحیح ہے۔

کیاہے عقل والو تمہاری بات؟ کہتے ہیں عربی زبان میں استواء کا مطلب استولیٰ بھی ہے اس لیے ہم استولیٰ کو مقدم کریں گے اور معنی استواء کا استولیٰ ہی ہے۔

سوال: اس کا مطلب کیاہے قابض؟

جواب: ہاں قابض! اس لیے اس کے جواب میں آئے گا تفصیل سے مطلب کیا ہے کہ عرش پر ہے کسی اور کے قبضے میں تھا اللہ تعالیٰ نے بعد میں قبضہ حاصل کیا ہے؟!

دیکھیں عقل والے عقل سے مار کھاتے ہیں ہمیشہ، جب تک آپ قرآن اور سنت کو آگے نہیں کریں گے آپ ٹھوکر کھاتے رہیں گے! اور لاجواب ہو جاتے ہیں کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہوتا (سبحان اللہ)۔ بشر نے تو جب قبضہ کیا اور غالب ہوا کسی اور کے ہاتھ میں تھا عرق کیا اللہ تعالیٰ کا عرش کسی اور قبضے میں تھا اللہ تعالیٰ پھر غالب ہوا اور قبضے میں لے لیا؟! (سبحان اللہ)۔

میں نے کہا کہ جس گڑھے سے بچنا چاہتے تھے اُس سے بڑے گڑھے میں جا کر گرے ہیں! راستہ سیدھا ہے اور صاف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ ہم کہتے ہیں آمنا وصدقنا۔

کہتے ہیں "سمت لازم آتی ہے"۔ ہم کہتے ہیں سمت لازم نہیں آتی تمہاری خراب عقل میں سمت لازم آتی ہے۔

چھوٹی مثال کیا دیتے ہیں؟ چاند کہاں پر ہے زمین پر ہے آسمان پر ہے؟ آسمان پر ہے۔ سورج کہاں پر ہے؟ آسمان پر ہے۔ جب انسان سفر کرتا ہے زمین پر چلتے ہوئے اور کہتا ہے میں نے چاند کے ساتھ سفر کیا ہے رات کو، یا کوئی دن میں کہتا ہے میں نے سورج کے ساتھ سفر کیا ہے اور مختلف شہروں میں ہے مختلف ملکوں میں ہے کیا چاند کے ساتھ سفر کرنے سے مراد یہ ہے کہ چاند زمین پر اُتر آیا ہے اُن کے ساتھ ہے یا آسمان پر اپنی جگہ پر ہے؟ اپنی جگہ پر ہے (سبحان اللہ)۔ تو اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔

چاند ہمیشہ اوپر ہے سورج ہمیشہ اوپر ہے، اور جب ہم زمین کہتے ہیں سفیریکل (Spherical) ہے، جب ساؤتھ پول (South Pole) یا نارتھ پول (North Pole) کے اوپر یا نیچے کوئی شخص کھڑا ہے اس کے لیے سورج اور چاند کہاں پر ہوتا ہے؟ کبھی آپ نے سنا ہے سوچا بھی ہے کبھی کیا سورج نیچے بھی ہوتا ہے؟! سورج ہمیشہ اوپر ہی ہوتا ہے، چاند ہمیشہ اوپر ہی ہوتا ہے۔ نہیں؟! تو ربّ کائنات ہمیشہ عرش پر مستوی کیوں نہیں ہو سکتا؟! (الغرض، آگے تفصیل آئے گی)، تو عقل سے بھی بے چارے مار کھا چکے ہیں۔

اگلی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَتٰٓی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ﴾(النحل:1)۔" فمعنى: ﴿اَتٰٓی﴾ ، أي سيأتي أمر الله" (اللہ تعالیٰ کا اُمر آئے گا(آیا نہیں ہے))۔اور اسی آیت میں ﴿ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ﴾سے مراد یہ ہے کہ آپ لوگوں نے اس لفظ کو ظاہر سے ہٹا کر بیان کیا ہے اور اس کے اوپر دلیل ﴿ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ﴾(جلدی نہیں کرنا اللہ تعالیٰ کا اُمر آئے گا)۔

اور اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ﴾ (النحل:98)۔

اب جو تاویل ہے جس کی دلیل ہے اس کی مثال شیخ صاحب دے رہے ہیں اگر تاویل کی دلیل ہے تو قابل تعریف ہے محمود ہے، اگر دلیل نہیں ہے مذمت ہے (یہ تاویل کا معنی جو بیان کیا ہے)۔اب جب ہم پڑھتے ہیں ﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴾، ﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ﴾ (جب آپ قرآن مجید پڑھ لیں ﴿قَرَاۡتَ﴾)﴿فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ﴾۔

قرأ کیا ہے ﴿قَرَاۡتَ﴾؟ فعل اور فاعل ہے؟ قرأ فعل ماضی یا مضارع ہے؟ ماضی ہے۔

﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ﴾۔ استعاذہ پہلے پڑھنا ہے یا بعد میں پڑھنا ہے؟ أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہم کب پڑھتے ہیں تلاوت سے پہلے یا تلاوت کے بعد؟ پہلے پڑھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے پہلے پڑھنا ہے کہ بعد میں پڑھنا ہے؟ ﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴾ ظاہر میں کیا ہے؟ بعد میں ہے۔ہم پڑھتے کب ہیں؟ پہلے ہیں۔تو پہلے کیوں پڑھتے ہیں بھئی؟! یہاں پر ظاہر سے ہم نے ہٹ کر وہ معنی لیا ہے جو اس کے ظاہر میں نہیں ہے اسے کیا کہتے ہیں؟ تاویل ہے۔

یہ تاویل محمود ہے یا مذموم ہے؟ محمود ہے۔کیوں محمود ہے دلیل ہونی چاہیے نا؟ دیکھیں قاعدہ کیا ہے؟ کہ جو تاویل دلیل کی بنیاد پر ہو محمود ہے (قابل تعریف) اور اس کا معنی بھی لیتے ہیں قابل قبول بھی ہے، جو بغیر دلیل کے ہو مذموم ہے۔دلیل کیا ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ہمیں کیا ملا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد پڑھتے تھے یا پہلے پڑھتے تھے؟ پہلے پڑھتے تھے۔تو کوئی ہے اس کائنات میں یا اس دنیا میں یا کبھی کوئی

شخص آئے گا جو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ علم رکھتا ہو قرآن مجید کا؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت پر عمل کر کے ہمیں بتایا ہے کہ اس پر عمل کیسے کرنا ہے اس سے معنی مراد کیا ہے کہ اگر ظاہر کو لیا جائے تو بعد میں پڑھنا ہے، اگر صحیح عمل دیکھا جائے (اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو دیکھا جائے) تو پہلے پڑھنا ہے۔

اگلی مثال، جب ہم بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہیں تو کیا دعا پڑھتے ہیں؟ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا دخل الخلاء"۔ "إذا دخل"، إذا شرطیہ ہے "دخل" فعل ماضی ہے "دخل الخلاء قال: "أَعُوذُ بالله مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ"" ۔ متفق علیہ حدیث ہے۔

"إذا دخل" ہم بعد میں پڑھتے ہیں یا پہلے پڑھتے ہیں حدیث میں کیا ہے؟ "إذا دخل الخلاء" یعنی جب داخل ہو جاتے تب پڑھتے۔

تو ہم صحیح عمل کرتے ہیں حدیث پر صحیح عمل کرتے ہیں ہم؟ حدیث کے ظاہر میں کیا ہے؟ کہ داخل ہونے کے بعد پڑھنا ہے۔ اور صحیح عمل کیا ہے؟ داخل ہونے سے پہلے پڑھنا ہے۔ تو حدیث کے ظاہر میں بعد ہے اور حقیقتاً جو ہے پہلے ہے تو یہ ہم نے تاویل کی ہے لیکن اس کی دلیل ہے کیونکہ بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا جیسا کہ دوسرے دلائل میں آیا ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اندر نہیں پڑھتے تھے بلکہ باہر پڑھتے تھے اور صحابہ نے بھی سلف نے بھی اس پر عمل کیا ہے اور ہم بھی آج اس پر عمل کرتے ہیں۔

حدیث یہ ہے جو ہم پڑھتے ہیں دلیل کیا ہم کہتے ہیں دعا مسنون کیا ہے بیت الخلاء میں داخل ہونے کی؟ "بسمِ اللهِ ، اللهمَّ إنِّي أعوذُ بكَ منَ الخبُثِ والخبائِثِ"۔ "بسمِ اللهِ" ایک دوسری حدیث میں آئی ہے اور "اللهمَّ إنِّي أعوذُ بكَ منَ الخبُثِ والخبائِثِ" اس حدیث میں آئی ہے ہم دونوں پر عمل کرتے ہیں۔

لیکن حدیث کا لفظ کیا ہے؟ "إذا دخل الخلاء قال:" ، "إذا" شرطیہ ہے "دخل" فعل ماضی ہے، مطلب یہ ہے جب ہم بیت الخلاء میں داخل ہو جائیں تب پڑھنی ہے اور ہمیں یہ یقینی پتہ ہے معلوم ہے بات کہ بیت الخلاء کے اندر نہیں اللہ کا ذکر کیا جاتا اس سے منع کیا گیا ہے۔ تو اس سے مراد کیا ہے؟ کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے ہے۔

تو یہ تاویل ہم نے کی ہے دلیل کی بنیاد پر یا بغیر دلیل کے ؟ دلیل کی بنیاد پر۔ تو اس کا مطلب ہے یہ قابل تعریف ہے کہ نہیں قاعدہ کیا ہے؟ قابل تعریف ہے اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔

تو اس کا عمل جو ہے کیسے کیا جائے گا؟ یعنی مطلب یہ ہے جب ارادہ کرتے ہیں داخل ہونے کا، یہ تاویل ہے اس لیے تو میں نے کہا "پہلے"۔ اس میں تاویل کیا ہے؟ جب ارادہ کرتے تھے داخل ہونے کا تب یہ پڑھتے تھے لیکن لفظ ارادے کا نہیں یہاں پر لیکن معنی یہی ہے کہ ارادہ جب کرتے تب پڑھتے۔ ارادے کا لفظ کہاں سے لیا ہے؟ ہم نے تاویل کی ہے، تاویل دلیل کی بنیاد پر کی ہے۔ "إذا دخل": "اذا اراد ان یدخل": "یدخل" فعل مضارع ہے نا، اصل تاویل یہ ہے "اذا اراد ان یدخل الخلاء" اصل بات یہ ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اس لیے تعبیر تحریف کے لفظ سے جو ہے تاویل سے زیادہ بہتر ہے جس کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے اور زیادہ حق رکھتا ہے کہ لفظ تحریف کا بیان کیا جائے نا کہ تاویل کا کیونکہ جو قرآن مجید میں ہے وہ محرف (تحریف کرنے والا) کا جو راستہ ہے وہ بیان کرتا ہے کہ اس نے تحریف کی ہے اور زیادہ شدید قابل مذمت اور قابل نفرت ہے جو یہ طریقہ اختیار کرتا ہے جو سلف کے طریقے سے بالکل ہٹ کر ہے اور مخالف ہے کیونکہ تحریف ہر اعتبار سے مذموم ہے، تاویل ہر اعتبار سے مذموم نہیں ہے کچھ مذموم ہے اور محمود بھی ہے۔ تو جو لفظ ہے تحریف کا وہ اولیٰ ہے اور زیادہ حق رکھتا ہے تاویل کے لفظ سے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں بیان کیا جاتا ہے چار وجوہات سے جو بیان کی گئی ہیں۔

ابھی ہم کیا کہہ رہے تھے؟ "من غیر تحریف"۔ یہ ساری باتیں جو ہیں وہ اس ایک جملے کے تعلق سے تھیں کہ ہمارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر جن کا ذکر قرآن مجید میں اور صحیح حدیث میں آیا ہے، پہلا جملہ جب کہتے ہیں پہلے شرط اس ایمان کی جو ہے وہ "من غیر تحریف" (بغیر تحریف کے)۔

تحریف کا معنی کیا ہے؟ تحریف اور تاویل میں کیا فرق ہے؟ اور تاویل کی کتنی قسمیں ہیں؟ قابل مذمت کیا ہے اور قابل تعریف کیا ہے؟ اور اس میں اصل اصول اور قواعد کیا ہیں؟ واضح ہے؟

تعطیل پر ہم بات نہیں کر سکیں گے کیونکہ تعطیل کا معاملہ بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ تقریباً تحریف کی بات ہوئی ہے تو اگلے درس میں ان شاءاللہ۔

"تعطیل" (چھوڑنا، ترک کرنا، انکار کرنا) یہ سارے معنی موجود ہیں، کب ترک کرنا ہوتا ہے، اصل لفظ کہاں سے آیا ہے تعطیل کا لفظ اور پھر ان لوگوں نے (معطلہ نے) کیسے اس کو استعمال کیا ہے اور کس بنیاد پر استعمال کیا ہے، کیوں استعمال کیا ہے، اہل سنت والجماعت نے سلف نے کیسے اس کی مخالفت کی ہے اور کس طریقے سے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ یہ لفظ غلط ہے اور یہ طریقہ بھی غلط ہے اور بلکہ قرآن اور سنت، سلف کے منہج سے اور طریقے سے بھی بالکل مخالف ہے اور قابل مذمت ہے اور اہل التعطیل اہل البدعۃ ہیں اہل الحق کبھی ہو نہیں سکتے اہل سنت کبھی ہو نہیں سکتے۔

اب یہ لفظی بحث ہو رہی ہے کہ تحریف کیا ہے کیونکہ آگے یہ لفظ بہت استعمال ہو گا، تحریف کا لفظ بھی ہو گا، تعطیل کا لفظ بھی ہو گا اور ہم کئی مرتبہ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔

تو اصل میں یہ لفظ آئے کہاں سے ہیں یہ استعمال کیوں ہوتے ہیں شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے لمبی باتیں نہیں کی ہیں شیخ الاسلام نے صرف ایک جملے میں بیان کر دیا ہے۔ ابھی ہم نے شیخ الاسلام کی جو بات کی ہے دو تین جملوں پر ابھی تک ہم نے بات کی ہے بس ابھی پوری کتاب پڑی ہے پورا عقیدہ پڑا ہے۔ تو شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے میں نے کہا یہ لفظی شرح ہے ایک ایک لفظ کی الگ شرح ہے کہ لفظ کس طریقے سے بیان کیے ہیں پھر پورا لفظ جو ہے ایک ساتھ ملا کر۔

اب تحریف کی بات ہوئی ہے نا اب آگے بات آئے گی تعطیل کی، پھر تحریف اور تعطیل میں کیا فرق ہے تاکہ پتہ چلے ہم جب تحریف کی بات کی نفی کرتے ہیں تعطیل کی نفی کیوں کرتے ہیں کیا کافی نہیں تھا کہ تحریف نہیں کرتے بس؟

تحریف کا الگ معنی ہے اور تعطیل کا الگ معنی ہے اور اُن لوگوں نے یہ سارے معنی لیے ہیں۔ اہل التعطیل نے انکار کرنے والوں نے تحریف سے بھی کام لیا ہے، تعطیل سے بھی کام لیا ہے، تمثیل سے بھی کام لیا ہے، تکییف سے بھی کام لیا ہے۔ اس لیے اگر ہم ایک کا رَد کر دیں "من غیر تحریف" باقی چھوڑ دیں تو ناانصافی ہے اور بات نامکمل ہوئی جیسے کہ اُن لوگوں نے غلطی کر کے یہ سارا گند (جیسے کہتے ہیں گند مچایا ہے) اور یہ غلط عقائد عوام میں جا کر پھیلائے ہیں تو رَد تو

سب کا کرنا ہے اگر آپ ادھوری بات کرتے ہیں اور آدھا چھوڑ دیتے ہیں تو حق کہاں واضح ہو گا؟! تو اگر حق کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں اور باطل آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کا جواب بھی ہر اشکال اور ابہام کو دور کرنے کے لیے اتنا ہی قوی ہونا چاہیے جتنا کہ اُن لوگوں نے یہ غلط باتیں کی ہیں۔

تحریف سے کام لیا ہے ہم کہتے ہیں "من غیر تحریف" اور تحریف کا مکمل طریقے سے رَد کریں گے، تعطیل سے کام لیا ہے اُن لوگوں نے (اہل بدعت نے) ہم کہیں گے "من غیر تعطیل" اور تعطیل کا مکمل رَد کریں گے، تکییف کی ہے اُن لوگوں نے (کیفیت بیان کی ہے) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی ہم کہیں گے "من غیر تکییف" اور تکییف کیا ہے کہاں سے لفظ آیا ہے، قرآن اور سنت میں کیسے مذمت کی گئی ہے اس کے دلائل کیا ہیں اس پر بات ہو گی ان شاءاللہ، اور جب انہوں نے مثلیت بیان کی ہے نفی کی ہے "من غیر تمثیل"، اور اہل التشبیہ بھی نکلے ہیں جو تشبیہ کرتے تھے اور اہل التعطیل اُن کی ضد میں آ کر تا کہ مثلیت بیان نہ ہو "من غیر تمثیل" بھی اس کے دلائل کیا ہیں اور کہاں سے یہ لفظ آیا ہے کیوں استعمال ہوا ہے، اور تشبیہ کی کتنی یعنی قسمیں ہیں اور تشبیہ کے کتنے درجات ہیں، سب سے قوی تشبیہ کیا ہوتی ہے یہ سب وقت پر ہم بات کریں گے ان شاءاللہ (واللہ أعلم)۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (12.العقیدۃالواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔